کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

شرک کیا ہے؟

تصنیف:

خیر الاذکیاء حضرت علامہ

محمد احمد مصباحی

(سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔)

حسب فرمائش:

عطائے حضور مفتی اعظم ہند **حضرت مولانا محمد شاکر نوری** دام ظلہ

(امیر سنی دعوت اسلامی)

اشاعت بموقع عالمی سالانہ سنی اجتماع منعقدہ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر:	پیش کش:
مکتبۂ طیبہ	**ادارۂ معارف اسلامی**
۱۲۶/ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳	۱۳۲/ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم، اما بعد!

استاذِ گرامی عمدۃ المحققین، خیر الاذکیاء، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ اپنی بے پناہ ذاتی خوبیوں، علمی کمالات، دینی خدمات اور فکری وفنی جمالیات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں، آپ بیک وقت ایک مشفق استاذ و مربی، متبحر عالم دین، بلند پایہ محقق، کامیاب مترجم، ماہر محشی، اور صاحب طرز ادیب و مصنف ہیں، تحریر میں سلاست اور شگفتگی، طرز خاص کی مطابقت اور قوت استدلال و منطقی تجزیہ آپ کے امتیازات ہیں، آسان اسلوب کی حلاوت ذہن وفکر میں اس طرح گھل جاتی ہے کہ قاری دیر تک اس سے لذت اندوز ہوتا ہے اور نفس معانی کی کشش ایک زمانے تک اسے اپنا اسیر بنائے رکھتی ہے۔

آپ کی ولادت صوبۂ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) کے ایک مشہور قصبہ بھیرہ ولید پور میں ۹؍ستمبر ۱۹۵۲ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ رحیمیہ بھیرہ میں داخلہ لیا، جہاں درجۂ سوم تک تعلیم پائی، ۸؍اپریل ۱۹۶۲ء کو مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد میں داخلہ لیا اور متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اعلی تعلیم کے لیے ۲۲؍جنوری ۱۹۶۷ء کو دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا، ۲۳؍اکتوبر ۱۹۶۹ء کو علما و مشائخ کے ہاتھوں سند و دستار فضیلت سے نوازا گیا، تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں ان میں مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، دار العلوم ندائے حق جلال پور، اور مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ قابل ذکر ہیں، جون ۱۹۸۶ء میں مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر ہوا آپ کی تدریسی و تنظیمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ کے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ کو جامعہ اشرفیہ کا صدر المدرسین نامزد کیا گیا، جون ۲۰۱۴ء میں آپ کی بھی مدت مکمل ہوگئی، آپ پرنسپل کے عہدے سے سبک دوش ہوئے اور محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کو باضابطہ یہ عہدۂ صدارت تفویض کیا گیا۔ مگر آج بھی علامہ محمد احمد مصباحی

صاحب جامعہ اشرفیہ کے استاذ ہیں، مجلس شرعی کے صدر ہیں، مجلس برکات کے نگراں ہیں، اور المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور کا بانی رکن اور ذمہ دار مہتمم کی حیثیت سے اپنی گراں قدر ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں، قرطاس وقلم سے آپ کی دل چسپی زمانۂ طالب علمی سے قائم ہے، عربی، فارسی اور اردو، تینوں زبانوں میں آپ کو قادر الکلامی حاصل ہے، اور ان زبانوں میں آپ نے قلم کی جولانی دکھائی ہے۔ فقہ، اصول فقہ، حدیث، قرآنیات، تاریخ، سیر، تفسیر، عروض، بیان وبدیع، منطق وفلسفہ، تصوف، اور ادب وانشا اردو، عربی، فارسی میں آپ کی ماہرانہ دست ترس ضرب المثل ہے، آپ کی نثر میں اختصاص اور جامعیت ''دریا در کوزہ'' کی مصداق ہے، تدوین قرآن، تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، امام احمد رضا اور تصوف، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن، معین العروض، اور رسم قرآنی وغیرہ آپ کی مقبول تصانیف میں مذکورہ خوبیاں جلوہ افروز ہیں، ۱۵ سے زائد تصانیف، تراجم وحواشی اور ایک درجن کے قریب تصانیف امام احمد رضا قادری کی تصحیح، تحقیق، ترجمہ وتحشیہ اور سو سے زائد مضامین ومقالات آپ کے ایک مشاق قلم کار ومحقق ہونے کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ بہ قول حضرت علامہ محمد صدیق ہزاروی (پاکستان):

''آپ قدیم وجدید علوم کے ماہر، کئی علمی وتحقیقی کتب کے مصنف اور مترجم ہیں، حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ کے متعدد رسائل اور فتاویٰ کا ترجمہ، تحقیق اور تحشیہ کے بعد عام اردو خواں حضرات کے لیے آسان بنا چکے ہیں۔'' (پیش لفظ، فتاویٰ رضویہ مترجم، مطبوعہ لاہور، ۲۰۰۶ء ص: ۸)

اور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقف کار نہیں''۔ (ابتدائیہ، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، مبارک پور، ۱۹۹۳ء ص: ۹)

مذکورہ دونوں تأثرات کی تصدیق کے لیے فتاویٰ رضویہ مترجم جلد اول باب التیمّم تا آخر کی فارسی اور عربی عبارتوں کا ترجمہ، قصیدہ اکسیر اعظم اور اس کی شرح مجیر معظم کا سلیس اردو ترجمہ ''تاب منظم''، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، اور رضویات پر ان کی مستقل تصانیف اور مقالات کو مطالعہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ زیر نظر مقالہ ''شرک کیا ہے؟'' درحقیقت قصیدۂ اکسیر اعظم پر آپ کے لکھے گئے طویل مقدمے کا آخری حصہ ہے جو کتابی شکل میں مذکورہ عنوان سے پہلی بار جمشید پور جھارکھنڈ

سے طبع ہوکر منظر عام پر آیا تھا، اور پھر ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی شمارہ ستمبر و اکتوبر ۲۰۱۴ء میں دو قسطوں میں چھپا اور اب تیسری بلکہ چوتھی بار عطاے حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد شاکر نوری دام ظلہ کی دلچسپی اور خواہش پر ادارہ معارف اسلامی، ممبئی سے کئی ہزار کی تعداد میں اس کی اشاعت اردو اور انگلش میں ہورہی ہے، یہ اس کی مقبولیت کا واضح اشاریہ ہے۔

ابتدا ہی سے ہر زمانے میں لوگ دو گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں ایک انبیا کو ماننے والوں کا گروہ اور دوسرا ان پر تنقید اور نکتہ چینی کرنے والوں کا گروہ۔ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد زرّیں میں بھی یہ تقسیم دکھائی دیتی ہے، ایک تصدیق کرنے والے افراد، دوسرے تکذیب کرنے اور اعتراضات کرنے والے افراد، یہ سلسلہ اب بھی ختم نہیں ہوا، سواد اعظم اہل سنت و جماعت اہل حق نے تصدیق کا شیوہ اپنایا اور ان کی زندگی ہر آن دلائل و شواہد پیش کرنے میں خرچ ہورہی ہے اور دوسری جانب سواد اعظم سے منحرف جماعتوں کی ساری توانائیاں الزامات و اعتراضات میں صرف ہورہی ہیں، انہیں ایرادات میں سے جماعت اہل سنت کے معمولات اور رسموں پر کیے جانے والا ایک اِیراد ''شرک'' بھی ہے، وہ بات بات پر ''شرک'' کا الزام لگاتے ہیں، ہر گھڑی، ہر کام میں شرک شرک کا راگ الاپتے ہیں اور جب ان سے تفتیش کی جاتی ہے اور شرک کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو رفو چکر ہوجاتے ہیں اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ یہ مقالہ شرک کی حقیقت کو بڑے واشگاف لفظوں میں بیان کرتا ہے، جس کے مطالعہ سے بدمذہبوں کے سارے شبہات و ایرادات تار عنکبوت کی طرح بکھر جاتے ہیں اور حق واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے، اس لیے غیر متعصب افراد سے گزارش ہے کہ ٹھنڈے دل اور حضور قلب کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں تا کہ شرک کے تعلق سے ان کے ذہنوں میں پلنے والی غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو اور وہ الزام تراشیوں سے باز آئیں۔ اللہ عزوجل مصنف کی اس عظیم خدمت لوح و قلم کو قبول فرمائے اور ہر خاص و عام کو اس کتاب سے استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

توفیق احسنؔ برکاتی، ممبئی

۱۷/ نومبر ۲۰۱۴ء دوشنبہ

۞۞۞

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شرک سے بچنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شرک کیا ہے؟ بعض لوگوں کی تسکین تو شرک کی تعریف اور حقیقت سمجھے بغیر صرف ''شرک، شرک'' کی رٹ سے ہوتی ہے، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ شرک کیا ہے؟ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مشرک کون ہے؟

ائمہ کی تقلید شرک، انبیا واولیا سے توسل شرک، مقبولانِ بارگاہِ رب کی تعظیم شرک، ان کے گردو پیش کا ادب شرک، ان کے لیے غیب کا علم اور اختیار وتصرف کی قدرت ماننا شرک، اور چوں کہ عہدِ صحابہ سے آج تک ساری اُمت، اہلِ اجتہاد کی تقلید، مقبولانِ بارگاہ کی تعظیم، ان سے توسل، ان کے لیے علمِ غیب اور اختیار وتصرف کے اعتراف کی حامل رہی اس لیے ساری اُمت مشرک۔ ان کے نزدیک موحد شاید صرف ابلیس ہوگا جو خدا کے سوا کسی نبی وولی اور فرشتہ ورسول کی عظمت کا قائل نہیں۔

ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لیے تو علمِ غیب، قدرت واختیار، تعظیم وتوسل سب کچھ جائز اور واقع مانتا ہے مگر یہی چیزیں انبیا واولیا کے لیے شرک گردانتا ہے۔ دیکھیے علامہ ارشد القادری کی تصنیف ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر''۔ ایمان لانا ہے تو پورا ایمان چاہیے۔ آدھا ایمان، آدھا کفر، عجب چیز ہے۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

حضرت آسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نسبتِ شرک بجز تہمتِ بے جا کیا ہے؟
دل ہے جب اس کی طرف، رخ ہے وسائل کی طرف

اور فرماتے ہیں:

ملنے والوں سے راہ پیدا کر
اس کے ملنے کی اور صورت کیا؟

شرک کیا ہے اور آدمی مشرک کب ہوگا؟

خدا کی ذات اور اس کی صفاتِ ذاتیہ میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔

(۱) اللہ کی ذات واجب الوجود ہے۔ خود سے ہے، کوئی اسے وجود دینے والا نہیں۔ اس کا وجود ضروری ہے اس کا عدم محال ہے۔ وہی خالق ہے، کوئی دوسرا ایسا نہیں جو کسی شئ کو عدم سے وجود میں لا سکے اور بغیر کسی مادے کے بنا سکے۔

کسی غیر کو واجب الوجود یا الٰہ ماننا شرک ہے۔ دنیا میں کوئی اس کا قائل بھی نہیں۔ (مگر بقولے، بعض دہریہ وملاحدہ ومجوس) اسی طرح غیر اللہ کو خالق ماننا بھی شرک ہے۔

(۲) وہ واحد و یکتا ہے، ازلی وابدی ہے۔ وہی معبود ہے کسی اور کو معبود بنانے والا اگرچہ وہ اسے مخلوق ہی جانے مشرک ہے۔

اب یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ عبادت کیا ہے؟ اور معبود بنانا کیا ہے؟ یہ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بیان ہوگی، مگر یہ متعین ہے کہ کوئی مسلمان خدا کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے، نہ خدا کے سوا کسی کو معبود جانتا ہے۔

(۳) اللہ کی صفات ذاتیہ یہ ہیں:

(۱) حیات (۲) علم (۳) سمع (۴) بصر (۵) قدرت (۶) ارادہ ومشیت (۷) کلام۔

یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی ہیں یعنی اس کے لیے کسی کی عطا کے بغیر خود ثابت ولازم ہیں۔

ان صفات میں سے کسی صفت کو کوئی شخص اگر غیر اللہ کے لیے ذاتی طور پر یعنی عطائے الٰہی کے بغیر مانے تو وہ مشرک ہے۔ اور اگر عطائے الٰہی سے مخلوق میں یہ صفات کوئی مانتا ہے تو وہ مشرک نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ان صفات میں سے کوئی صفت اللہ کے لیے ذاتی نہ مانے اور غیر کی عطا سے کہے تو وہ کافر ہے۔ اگرچہ مشرک نہ ہو۔ اللہ کی ہر صفت اور اس کا ہر کمال ذاتی ہے کسی کی عطا کا یا کسی علت وسبب کا محتاج نہیں۔

اب یہ دو بحثیں ہوئیں۔ اول یہ کہ مذکورہ صفات اللہ کے لیے ذاتی طور پر ثابت ہیں۔ دوم

یہ کہ صفاتِ بالا اللہ کی عطا سے مخلوق میں ہوسکتی ہیں بلکہ ہوتی ہیں۔ دونوں کی دلیل قرآن کی آیات سے سنیں:

(۱) حیات: هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ (مومن/غافر: آیت نمبر ۶۵)

وہی ہے حیات والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) علم: وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ (مائدہ: آیت ۷۶)

اور اللہ ہی ہے سننے والا، علم والا۔

(۳)(۴) سمع وبصر: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔ (مومن/غافر: آیت ۲۰)

بے شک اللہ ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۔

(۵) قدرت: یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۔ (روم: آیت ۵۴)

جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہی ہے علم والا، قدرت والا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۔ (ہود: آیت ۶۶)

بے شک تمہارا رب ہی ہے قوت والا، عزت والا۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔ (بقرہ: آیت ۱۶۵)

ساری قوت اللہ کے لیے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ۔ (ذاریات: آیت ۵۸)

بے شک اللہ ہی ہے بہت رزق دینے والا، قوت والا، مضبوط طاقت والا۔

(۶) ارادہ ومشیت:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ (آل عمران: آیت ۲۶)

ترجمہ: یوں عرض کر اے اللہ! ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی

تیرے ہی ہاتھ ہے، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ (بقرہ: آیت نمبر ۲۵۳)

اور اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہے کرے۔

(۷) کلام

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (نساء: آیت ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ۔

(سورۂ توبہ: آیت ۶)

ترجمہ: اور اے محبوب! اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ۔ (فتح: آیت ۱۵) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام بدل دیں۔

گزشتہ آیات میں آپ دیکھیں گے کہ اکثر حصر کے ساتھ ارشاد ہے کہ اللہ ہی ہے "حیات والا، علم والا، سننے والا، دیکھنے والا، قدرت والا۔" ان آیات کو لے کر اگر کوئی شخص ذاتی اور عطائی کا فرق کیے بغیر یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے حیات، علم، سمع، بصر، قدرت سب کو اپنی ذات سے خاص کیا ہے لہٰذا اس کے سوا کوئی بھی، اس کی عطا سے بھی نہ جاننے والا، نہ سننے والا، نہ دیکھنے والا، نہ قدرت والا، جو شخص کسی کے لیے خدا کی یہ خاص صفات ثابت مانے خواہ اس کے دینے ہی سے مانے وہ مشرک ہے۔ اس لیے کہ قرآن نے صاف بتا دیا ہے کہ یہ صفات بس اللہ کے لیے ثابت ہیں اور کسی کے لیے نہیں، ذاتی اور عطائی کا کوئی فرق نہیں کیا تو اس کے خلاف ماننے والا مشرک ہے۔

یعنی کائنات میں اللہ کے سوا سب بے علم، اندھے، بہرے، بے طاقت ہیں جیسے پتھر دیکھنے، سننے، جاننے، چلنے پھرنے سے عاجز ہوتا ہے ویسے ہی سارے انسان بھی ہیں، اور جن اور فرشتے بھی۔

اولاً: یہ مجنونانہ استدلال جو صرف ایک قسم کی آیتوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا اور سارے جہان کو مشرک ٹھہرانے کی کوشش کی گئی، دنیا میں کوئی عاقل اسے تسلیم نہ کرے گا۔ اس کے لیے

ایک شخص یا ایک طبقے کو مجنون مان لینا اس سے زیادہ آسان ہوگا کہ سارے جہان کو مشرک مانے اور عقل اور مشاہدے کے بالکل برعکس فیصلہ کرے۔

ثانیاً: قرآن بھی ان کا ساتھ نہ دے گا اس لیے کہ قرآن میں بھی بندوں کے اندر بعطاے الٰہی ان صفات کا اثبات موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱)حیات

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ۔ (انعام: آیت ۹۵)

وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔

جیسے وہ جاندار سبزے کو بے جان دانے اور گٹھلی سے۔ جاندار انسان وحیوان کو بے جان نطفے سے۔ جاندار پرند کو بے جان انڈے سے نکالتا ہے اور جیسے وہ جاندار درخت سے بے جان گٹھلی اور دانے کو۔ جاندار انسان وحیوان سے نطفے کو۔ اور جاندار پرند سے انڈے کو نکالتا ہے۔ (تفاسیر) یہاں غیر اللہ کو حیات والا فرمایا ہے۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم: آیت ۳۱)

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیان کرتے ہیں) اور اس نے مجھے نماز وزکاۃ کی تاکید فرمائی جب تک میں زندہ رہوں۔

(۲)علم

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۔ (حجر: آیت ۵۳)

ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ (اس میں غیر اللہ کے لیے علم کا اثبات ہے)

(۳)(۴)سمع وبصر

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔

(سورۂ دہر: آیت ۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں تو اسے سنتا

دیکھتا کر دیا۔

(۵) قدرت

اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ ۔ (سورۂ قصص: آیت ۲۶)

بے شک بہتر ملازم وہ ہے جو قوت والا، امانت والا ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے ان کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوت و امانت والا بتایا۔

کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا ۔

(سورۂ روم: آیت ۹)

وہ ان سے زیادہ قوت والے تھے اور انہوں نے زمین جوتی اور آبادکی، ان کی آبادی سے زیادہ۔

فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّةٍ ۔ (کہف: آیت ۹۵)

تو تم طاقت سے میری مدد کرو۔

یہ حضرت ذوالقرنین نے رعایا سے فرمایا، اس میں رعایا کے لیے قوت کا اثبات بھی ہے اور ان سے استعانت بھی۔

(۶) ارادہ ومشیت

مِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۔

(آل عمران، آیت: ۱۵۲)

تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا۔

یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ ۔ (سبا: آیت ۱۳)

اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں۔

یعنی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کے حسبِ ارادہ چیزیں بناتے۔

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۔ (حم سجدہ: آیت ۴۰)

جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

(۷) کلام

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۔ (مائدہ: آیت ۱۱۰)

لوگوں سے تم باتیں کرتے گھوارے میں اور پکی عمر کے ہو کر۔

یہ رب تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے۔

آیات تو اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں اور قرآن کو بغور پڑھنے والا خود بھی کثیر آیات تلاش کرسکتا ہے جن میں بندوں کے لیے ان صفات کا اثبات موجود ہے۔

یقیناً قرآن میں کوئی تضاد نہیں بلکہ جو لوگ صرف ایک قسم کی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں وہ خدا کے بندوں کا ایمان اور ان کی عقل دونوں چھیننا چاہتے ہیں۔

اہلِ سنت دونوں قسم کی آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاننا، دیکھنا، سننا، طاقت وقوت وغیرہ خدا کے سوا کسی کے لیے نہیں وہاں یہ مراد ہے کہ ذاتی طور پر بغیر کسی کی عطا کے یہ صفات صرف اللہ کے لیے ثابت ہیں۔

اور جہاں ربِ کریم اپنے بندوں کے لیے علم، سمع وبصر اور طاقت وقوت وغیرہ ثابت فرماتا ہے وہاں یہ مراد ہے کہ اللہ کی عطا سے بندں کو یہ صفات حاصل ہیں۔ اگر یہ فرق نہ ہو تو قرآنِ مقدس میں کھلا ہوا تضاد لازم آئے گا جس کا قائل کوئی سنی نہیں ہوسکتا۔ کوئی غیر سنی اگر سارے جہان کو مشرک ٹھہرانے کے شوق میں قرآن میں تضاد کا قائل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ دنیا میں عقل اور ایمان سے کورے بہت گزر چکے ہیں اور ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں۔

اب ایک بحث یہ رہ گئی کہ عبادت کیا ہے؟ اور معبود بنانے کا کیا مطلب ہے؟

قاضی ناصر الدین بیضاوی نے اپنی تفسیر انوار التنزیل میں اس کی تعریف یہ لکھی ہے:

العبادۃ اقصی غایۃ الخضوع و التذلل۔ عبادت فروتنی وتابعداری کی آخری حد کا نام ہے۔

علامہ نسفی نے بھی مدارک التنزیل میں یہی لکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ فروتنی وتابعداری کی آخری حد کیا ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ آخری حد سجدہ

ہے۔اگر کسی نے کسی کے آگے سجدہ کرلیا تو اس نے اس کی عبادت کی اور اسے معبود بنایا۔

تو اس پر یہ **اعتراض** ہے کہ نماز از تکبیر تحریمہ تا سلام مکمل عبادت ہے۔اگر عبادت صرف سجدے کا نام ہے تو قیام،قعود،رکوع،قراءت اور ذکر عبادت سے خارج ہو گئے۔

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ روزہ،زکاۃ،حج بھی عبادت ہیں۔روزے اور زکاۃ میں سجدے کا کہیں پتا نہیں۔صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے،پینے اور قربت سے قصداً باز رہنے کا نام روزہ ہے،سجدے سے اس کا تعلق نہیں۔اسی طرح زکاۃ نیت کے ساتھ مستحق کو خاص مقدارِ مال کا مالک بنانا ہے،اس میں سجدہ نہیں۔حج بھی احرام،وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کا نام ہے۔فرض یہی ہیں باقی واجبات اور سنن وآداب ہیں۔اس لیے فروتنی وتابعداری کی انتہائی حد صرف سجدے کو ماننا درست نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر مطلقاً کسی کا سجدہ کرنا اس کی عبادت ہو تو فرشتوں نے بحکمِ الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کیا مگر وہ نہ حضرت آدم کے عبادت گزار ہوئے،نہ ان کو معبود جانا۔اگر ایسا ہو تو یقیناً وہ مشرک ہو جاتے اور صرف ابلیس جس نے سجدے سے انکار کیا وہی شرک سے محفوظ ہوتا حالاں کہ اس سجدے پر رب تعالیٰ نے ملائکہ کی مدح کی ہے اور ابلیس کو راندۂ درگاہ کر دیا۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے،ان کی والدہ نے اور ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے سجدہ کیا مگر ان میں سے کوئی نہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پرستار ٹھہرا،نہ ان کو معبود جانا،نہ مشرک ہوا۔صرف ان کی توقیر وتعظیم کرنے والا قرار پایا۔معلوم ہوا کہ مطلقاً سجدہ کر لینا بھی عبادت نہیں۔تو عبادت کیا ہے؟اور فروتنی وتابعداری کی آخری حد کیا ہے؟

حق یہ ہے کہ عبادت کے لیے ایک اعتقاد اور ایک نیت ضروری ہے۔اعتقاد یہ کہ جس کے لیے عمل کی بجا آوری کر رہا ہے اسے الٰہ یا فاعل بالذات ومستقل بالذات مانے۔اور نیت یہ کہ یہ عمل میں خاص اس اِلٰہ،وفاعل بالذات کی تعظیم اور اطاعت کے لیے کر رہا ہوں۔

یوں اگر کوئی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا، رکوع سجدہ وغیرہ سب کرلیا مگر رب کی اطاعت مقصود نہ تھی تو نہ نماز ہوئی نہ عبادت۔ صرف ایک جسمانی ورزش ہوئی یا لغو حرکت۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کے سامنے تعظیم کے ساتھ کھڑا رہا، یا تعظیم کے ساتھ بیٹھا، یا تعظیم کے ساتھ سجدہ کیا مگر اس کو نہ الٰہ جانتا ہے، نہ فاعل بالذات بلکہ بندہ اور مخلوق مانتا ہے تو نیتِ تعظیم کے باوجود یہ فعل، عبادت نہ ہوا۔ اس لیے ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ مسجودلہ کی تعظیم تو ہے مگر عبادت نہیں۔ ہاں ہماری شریعت میں غیر اللہ کا سجدۂ تعظیمی حرام قرار دیا گیا اس لیے ''اب'' کسی غیر کا سجدہ حرام و گناہ ضرور ہے مگر شرک نہیں اس لیے کہ شریعتِ اسلامیہ کے دلائل سے اس کی حرمت ہی ثابت ہے۔ ہماری شریعت بھی سجدۂ تعظیمی کو غیر کی عبادت یا خدا کے ساتھ شرک نہیں بتاتی۔ حرمتِ سجدۂ تعظیم کے دلائل امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب **الزبدة الزكية فی تحريم سجود التحية** میں تفصیلاً مذکور ہے۔

تعظیم اور عبادت میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ مسلمان نے بطور تعظیم اگر مصحف شریف کو یا کسی معظمِ دینی کو بوسہ دیا، یا کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا یا اس کے گرد و پیش کا ادب کیا ان سب کو عبادت کہنا اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

بروایت امام نسائی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور **دلائل النبوة للبيهقی** میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث معراج میں مرفوعاً آیا ہے کہ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بتانے کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبہ میں نماز پڑھی، اس لیے آئندہ وہ حضور کی ہجرت گاہ ہونے والا تھا، پھر طورِ سینا میں نماز پڑھی جہاں رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر ''بیت لحم'' میں نماز پڑھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اگر ان مقامات کی کچھ بھی عظمت و وقعت نہیں تو ان میں ٹھہرنے اور نماز پڑھنے کا کیا مطلب؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے فرمانے کے مطابق سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ان

مقامات میں اتر کر نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محبوبانِ الٰہی سے نسبت و تعلق رکھنے والے مقامات کا ادب واحترام خود رب جلیل کے نزدیک مطلوب و محمود ہے۔ اس کا شرک ہونا تو بہت دور بلکہ محال ہے۔ کسی طرح یہ گناہ بلکہ خلافِ اولیٰ بھی نہیں ہوسکتا۔

مختصر یہ کہ اگر کسی کو الٰہ اور فاعل بالذات مان کر اس کی کوئی تعظیم کرتا ہے یا اس کی اطاعت کرتا ہے تو یہ عبادت ہے اور اگر غیر اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے تو شرک ہے۔ اور اگر غیر اللہ کو بندہ و مخلوق مانتے ہوئے اس کی تعظیم یا اطاعت کرتا ہے تو یہ نہ اس کی عبادت ہے، نہ شرک۔ ہاں اگر کوئی ایسی تعظیم یا اطاعت کرتا ہے جس سے ہماری شریعت نے منع کیا ہے تو وہ ممنوع کا مرتکب ضرور ہوگا مگر مشرک ہرگز نہ ہوگا۔

اب بعض مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اگر بندے کے لیے فطری اور معمولی قدرت مانی تو شرک نہ ہوگا ہاں اگر غیر معمولی اور مافوق الفطرۃ قوت مانی تو مشرک ہوگا۔ اس پر ہمارا کلام یہ ہے کہ **اولاً** یہ تفریق انہوں نے کہاں سے نکالی؟ شیخ نجدی محمد ابن عبد الوہاب یا شیخ دہلوی نے کتاب التوحید یا تقویۃ الایمان میں یہ فرق نہ کیا۔ بندے کے لیے خدا کی عطا سے بھی کوئی طاقت وقوت ماننا ہر طرح شرک ٹھہرایا۔

ثانیاً ان کا استدلال جن آیات سے ہے ان میں بھی یہ فرق نہیں۔ قسم اول کی آیات میں یہی ہے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے۔ عزت وقدرت والا وہی ہے۔ ان میں فطری اور غیر فطری کا کوئی فرق نہیں۔ جب انہی آیات کی وجہ سے بندوں کے لیے قدرت ماننے سے انکار ہے تو ان آیات کے مطابق ہر قسم کی قدرت سے انکار کرنا چاہیے۔

اسی طرح کبھی یہ کہتے ہیں کہ زندوں کے لیے معمولی قدرت ماننا شرک نہیں مگر مردوں کے لیے کسی طرح کی قدرت ماننا شرک ہے۔ اس لیے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی کا ڈھیر ہوجاتا ہے اس میں نہ حیات ہوتی ہے نہ سننے دیکھنے اور تصرف کرنے کی قوت ہوتی ہے۔

اس پر بھی ہمارا وہی کلام ہے کہ یہ تفریق نہ ان کے پیشواؤں کی عبادت سے ثابت ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ نہ اصول اور عقل سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ اس لیے کہ خدا کی ذات

وصفات میں کسی کو بھی شریک ٹھہرانا شرک ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، انسان ہو یا جن یا فرشتہ، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ صفات باری میں زندہ کو شریک ٹھہرائے تو مومن رہے، مردہ کو شریک ٹھہرائے تو مشرک ہوجائے۔ مومن رہے گا تو دونوں صورت میں، مشرک ہوگا تو دونوں صورت میں۔

ثالثاً۔ ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ فطری اور غیر فطری، معمولی اور غیر معمولی کی حد کیا ہے؟

بندوں میں انسان، جن اور ملائکہ سب داخل ہیں مگر کسی کے لیے ایک کام خرق عادت، غیر فطری اور غیر معمولی ہے اور دوسرے کے لیے وہی کام عادی، فطری اور معمولی ہے۔

مثلاً زمین سے آسمان تک کی مسافت تھوڑی دیر میں طے کر لینا انسان کے لیے غیر عادی ہے اور فرشتوں کے لیے عادی اور روزانہ کا معمول ہے۔ زمین کے دور دراز گوشوں میں بغیر سواری کے چند ساعتوں میں پہنچ جانا انسان کے لیے غیر عادی ہے اور جن کے لیے عادی ہے۔ پورے روے زمین کو کفِ دست کی طرح دیکھنا ملک الموت کے لیے عادی ہے اور انسان کے لیے غیر عادی۔ خود انسانوں میں دیکھیے تو ایک من کا پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جانا ایک آزمودہ کار توانا شخص کے لیے عادی ہے اور ایک نحیف و ناتواں کے لیے آدھے من کا پتھر لے جانا غیر عادی ہے۔

جس نے انسان کے لیے ایسا امر ثابت کیا جو فرشتے اور جن میں ہے تو اس نے انسان کو جن اور فرشتوں کا شریک ٹھہرایا یعنی ایک بندے کو دوسرے بندے کے برابر ٹھہرایا۔ خدا کے برابر اور خدا کا شریک ہرگز نہ ٹھہرایا۔ اس نے انسان میں بھی یہ قدرت خدا کی عطا ہی سے مانی اور جن یا فرشتے میں بھی یہ قدرت خدا کی عطا ہی سے مانی۔ پھر شرک کیسے ہوا؟ زیادہ سے زیادہ کذب ہوسکتا ہے اگر انسان میں وہ قوت حاصل نہیں جو جن یا فرشتے میں ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسی صفت مانی جس سے نصوصِ قطعیہ کی تکذیب ہو تو یہ کفر ہوگا مثلاً جسے نبوت و رسالت حاصل نہیں اسے نبی یا رسول مانا یا اس کے لیے وحی نبوت کا قائل ہوا تو یہ کفر ہوگا۔

اہل سنت کا عقیدہ یہاں بالکل واضح اور دوٹوک ہے۔ اللہ کی طرح کسی کے لیے بھی اگر کوئی یہ مانتا ہے کہ اسے خدا کے دیے بغیر اپنی ذات سے کوئی قدرت یا کمال حاصل ہے تو وہ مشرک ہے۔

خواہ انسان کے لیے مانے یا جن وملائکہ کے لیے یا حیوانات و جمادات کے لیے۔ خواہ ایک ذرے اور پتے کو حرکت دینے کی معمولی قوت مانے یا آسمان وزمین کو زیر وزبر کرنے کی غیر معمولی قوت مانے۔ خواہ زندہ کے لیے وہ قوت مانے یا وفات یافتہ کے لیے، بہر حال وہ مشرک ہے۔

اور اگر کوئی شخص اللہ کی عطا سے کسی کے اندر طاقت وقوت مانتا ہے تو وہ مشرک نہیں خواہ مردہ کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھے کو شفا دینے، چھپی چیزوں کی خبر دینے کی قوت مانے یا زمین وآسمان، شمس قمر، ستاروں، سیاروں، بحر وبر، شجر وحجر وغیرہ سب کا نظام چلانے اور سب میں تصرف کرنے کی طاقت مانے جیسے: ''مدبراتِ اَمر'' فرشتوں کے لیے یہ قدرت ہم قرآن سے ثابت مانتے ہیں۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بندے میں اتنی زیادہ قدرت مان کر بندے کو خدا کے برابر کر دیا تو یہ اس کی سخت جہالت ہے۔ اس نے خدا کی قدرت زمین وآسمان کے درمیان محدود سمجھی جب کہ اللہ کی قدرت غیر متناہی اور لامحدود ہے۔ بندے کی قدرت عطائی ہے، خدا کی قدرت ذاتی۔ بندے کی ہر صفت بلکہ اس کی ذات بھی حادث ہے، خدا کی ذات وصفت قدیم ہے۔

بندے کی صفت اور ذات جائز الفنا ہے، خدا کی ذات وصفت واجب البقا۔ ایسے زبردست فرق ہوتے ہوئے بندے کی قدرت کو خدا کی قدرت کے برابر وہی کر سکتا ہے جس کو علم اور عقل سے مس نہ ہو یا جو خدا کی قدرت وعظمت سے بالکل جاہل اور نا آشنا ہو۔

اب ہم یہاں بندوں کو بعطاے الٰہی مافوق الفطرۃ اور خارقِ عادت قوت حاصل ہونے کے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں تا کہ بات تشنہ نہ رہے۔

۱۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے:

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ (آل عمران: آیت ۴۹)

''میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو

فوراً وہ پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔''

پرندے کو پیدا کرنا، مادرزاد اندھے کو شفا دینا، برص والے کو ٹھیک کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا یہ سب غیر معمولی اور خارقِ عادت اُمور ہیں اور سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہیں۔

امام بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی، عقیلی، ابن نجار، ابن عساکر اور ابوالقاسم اصبہانی نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ان للہ تعالیٰ ملکا اعطاہ اسماع الخلائق (زاد الطبرانی) قائم علی قبری (زاد: الی یوم القیامۃ) فما من احد یصلی علی صلاۃ الا ابلغنیہا۔

''انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی باتیں سننے کی قوت بخشی ہے وہ قیامت تک میری قبر کے پاس کھڑا رہے گا اور جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ پر پیش کرے گا۔''

علامہ زرقانی نے ''شرحِ مواہب'' میں اور علامہ مناوی نے ''شرح جامع صغیر'' میں فرمایا کہ اللہ نے اس فرشتے کو مخلوق کی آواز سننے کا حاسہ یعنی ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ جن وانس وغیرہ میں سے ہر مخلوق کی بات سننے پر قادر ہے اور مناوی نے اتنا اور زیادہ کیا ہے ''چاہے جس جگہ بھی ہو۔''

مخلوق کے لیے اس طرح کی قوت کا ثابت کرنا وہابیہ کے نزدیک شرک ہے تو ان کے گمان کے مطابق اللہ ورسول، روایت کرنے والے صحابی ومحدثین، شرح کرنے والے علما ومفسرین سب کے سب ایک مخلوق میں اس قوت کا اعتقاد رکھنے کے سبب شرک کے مرتکب ہوئے۔

۲۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں مذکور ہے:

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

’’سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے، قبل اِس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں۔ ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بے شک اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔ اس نے عرض کیا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کروں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا کہ یہ رب کے فضل سے ہے۔(النمل: آیت ۳۸ تا ۴۰)

چشم زدن میں تخت بلقیس کو شہر سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لانے والے حضرت آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی اور ان کے وزیر تھے۔ ایک عظیم تخت کو ’’سبا‘‘ سے ’’شام‘‘ تک چشم زدن میں حاضر کر دینا یقیناً مافوق الفطرۃ اور خارق عادت امر ہے اور یہ قوت ایک مقبول بندے کو حاصل ہے۔

۳۔آج ایک سے ایک آلات اور مشینوں کی ایجاد ہو چکی ہے مگر کوئی ایسا آلہ نہیں جس سے چیونٹی کے چلنے کی آہٹ اور چیونٹی کی آواز سنی جا سکے۔ چیونٹی کی زبان سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ بالفرض کوئی ایسا ترقی یافتہ آلہ تیار ہو جائے جس سے چیونٹی کی آہٹ سن لی جائے پھر بھی کوئی ایسا آلہ متصور نہیں جس سے اس کی زبان سمجھی جا سکے۔ زور زور سے چیخنے چلانے والے چرند و پرند موجود ہیں جن کی آوازیں ہم شب و روز سنتے رہتے ہیں مگر کوئی ایسا آلہ ایجاد نہ ہو سکا جو ان کی زبان سے آشنا کرا سکے۔ مختصر یہ کہ چیونٹی کی آواز سننا عام انسانوں کے لیے مافوق الفطرۃ اور عادۃً محال ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ قوت بلکہ اس کی زبان سمجھنے کی بھی صلاحیت بعطائے الٰہی

حاصل ہے جیسے انہیں پرندوں کی زبان سمجھنے اور ہوا پر حکم رانی کی قوت حاصل ہے۔

قرآن کریم میں ہے: حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ۔ (سورۂ نمل: آیت ۱۸۔۱۹)

''یہاں تک کہ جب (سلیمان اور ان کے لشکر) چیونٹیوں کی وادی کے پاس آئے۔ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں۔تو وہ اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کی دوری سے نہ صرف یہ کہ چیونٹی کی آواز سنی بلکہ اس کی بات بھی سمجھی اور رب کی نعمت کا شکر بھی ادا کیا جیسا کہ اسی آیت میں آگے ذکر ہے۔

واضح رہے کہ اہل سنت کے نزدیک سرکش جنوں اور انسانوں کے سوا کائنات کی ہر شئے ربِ جلیل پر ایمان رکھتی ہے اور اس کی تسبیح کرتی ہے۔قرآن کریم میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۔

(سورۂ اسراء: آیت ۴۴)

ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

تسبیحھم میں **ھُمْ** جمع عاقل کی ضمیر سے ہر چیز کا صاحب عقل و معرفت ہونا بھی ظاہر فرمادیا۔اسی طرح ہر چیز کا ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی ایمان ہے اور وہ ساری خلقت اور سارے جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے۔قرآن میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔

(سورۂ فرقان: آیت ۱)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

مسلم شریف کی حدیث صحیح میں ہے: ارسلت الی الخلق کافة۔ میں ساری مخلوق کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبرانی وغیرہ کی روایت ہے۔ سرکار فرماتے ہیں: ما من شئی الا یعلم انی رسول اللہ الا مردۃ الجن والانس۔

ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر سرکش جن وانس۔ صدق اللہ جل جلالہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ (سورۂ رعد: آیت ۲)

''وہ امر کی تدبیر فرماتا ہے۔''

مگر فرشتوں کے لیے بھی اس نے یہ صفت ثابت کی ہے۔ ارشاد ہے:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْراً۔ (سورۂ نازعات: آیت ۵) ترجمہ: پھر کام کی تدبیر کرنے والے۔

تدبیر امر کے تحت زمین وآسمان کے سارے کام آتے ہیں۔ بندوں کے لیے نظام عالم کی تدبیر کا اثبات خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

اس آیت کی ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہے اور قرآن متعدد معانی والا ہے جیسا کہ ابونعیم نے بہ واسطۂ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ائمۂ کرام ہمیشہ اس سے اس کے معانی پر استدلال کرتے رہے ہیں اور یہ قرآن کے عظیم وجوہِ اعجاز سے ہے۔

علامہ بیضاوی نے سورۂ والنازعات میں ذکر کردہ صفات کی ایک دوسری توجیہ کرتے ہوئے فرمایا:

أوصفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الابدان غرقاً ای نزعا شدیداً من اغراق النازع فی القوس۔ فتنشط الیٰ عالم الملکوت وتسبح فیہ فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات۔

ترجمہ: یا یہ صفات نفوس فاضلہ کی ہیں۔ بدن سے جدائی کے وقت کہ یہ روحیں بہت زیادہ

سختی کے ساتھ جسموں سے کھینچتی جاتی ہیں۔ یہ اغراق النازع فی القوس سے ماخوذ ہے (اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ "غرقا" اِغراق کا مصدر ہے بحذفِ زوائد) پھر وہ روحیں عالم ملکوت کی جانب روانہ ہوتی ہیں اور فضاے بسیط میں تیرتے ہوئے حظائرِ قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتی ہیں۔ پھر اپنے شرف اور قوت کے باعث مدبرات امر سے ہوجاتی ہیں۔

نسب، علم اور طریقت میں شاہ اسماعیل دہلوی کے جدامجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا:

فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الیٰ مزاجه فیلتحق بالملائکة وصارمنهم وألهِمَ کالهامهم، ویسعی فیما یسعون وربما اشتغل هولاء باعلاء کلمة الله، ونصر حزب الله وربما کان لهم لمة خیر بابن آدم، وربما اشتهی بعضهم الیٰ صورة جسدیة اشتیاقاً شدیداً، ناشئاً من اصل جبلته فخرع ذلك بابا من المثال، واختلطت به قوة منه بالنسمة الهوائیة، وصار کالجسد النورانی، وربما اشتاق بعضهم الیٰ مطعوم ونحوه فامد فیما اشتهی قضاءً لشوقها (حجۃ اللہ البالغۃ: تصنیف: شاہ ولی اللہ دہلوی)

ترجمہ: جب موت آتی ہے تو روح کا تعلق جسم سے منقطع ہوجاتا ہے اور وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے پھر فرشتوں کے ساتھ لاحق ہوکر انہی میں سے ہوجاتی ہے اور فرشتوں کی طرح اِلہام اور ان کے کاموں میں کوشش کرتی ہے۔ بسا اوقات یہ روحیں اعلاے کلمۃ اللہ میں مشغول ہوتی ہیں اور اللہ کی جماعت کی مدد کرتی ہیں اور بسا اوقات ان کا آدمی سے بہتر تعلق ہوتا ہے اور بعض روحوں کو جسمانی صورت کا بڑا شوق ہوتا ہے یہ ایسا شوق ہے جو ان کی اصل سرشت سے نکلتا ہے تو یہ ایک مثالی جسم بنالیتا ہے اور اس کے ساتھ ہوائی جان کے باعث ایک قوت مختلط ہوجاتی ہے اور وہ ایک نورانی جسم کی طرح ہوجاتا ہے اور بعض روحیں بسا اوقات کھانے وغیرہ کی خواہش کرتی ہیں تو ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

۵۔ موت دینا اللہ کی صفت ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا۔ (سورۂ زمر: آیت ۴۲)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

مگر قرآن ہی میں یہ صفت ملک الموت کے لیے ثابت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۱۱)

تم فرماؤ تمہیں موت دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

۶۔ کسی کو بیٹا، بیٹی دینا اللہ کی صفت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۔ (شوریٰ: آیت ۴۹)

(اللہ) جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔

مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیٹا دینے کی نسبت خود اپنی طرف کی۔

قرآن میں ہے: اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۔ (مریم: آیت ۱۹)

میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

بتائیں کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی جانب یہ نسبت کر کے معاذ اللہ مشرک ہو گئے؟ اور قرآن نے ان کے شرک کو بلا انکار برقرار رکھا؟

۷۔ کسی مسلمان نے اگر مقبولانِ بارگاہ کی جانب کسی قدرت و اختیار کی نسبت کی تو فوراً اس پر شرک کا حکم لگا دیتے ہیں مگر قرآن میں غنی کرنے، نعمت دینے اور عطا کرنے کی نسبت اللہ اور رسول دونوں کی طرف کی گئی ہے۔ کیا یہ شرک ہے جو خود رب العزت کے کلام میں موجود ہے؟ دیکھیے اگلی آیت:

(الف) وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (سورۂ توبہ: ۷۴)

اور انہیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(ب) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۔ (سورۂ توبہ: آیت ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی

ہے۔اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

(ج) اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ۔ (سورۂ الاحزاب: ۳۷)

جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی۔

رہا وہابیہ کا یہ گمان کہ انبیا بعدِ وفات جماد اور پتھر کے مثل ہو گئے اور ان کے لیے سننے، سمجھنے، نصرت و اعانت اور چلنے پھرنے کی قوت باقی نہیں رہی تو یہ سارا گمان نصوصِ صریحہ کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہدا کی شان میں ارشاد فرمایا جب کہ وہ انبیا سے درجے میں کم ہیں: وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ۔

(سورۂ بقرہ: آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ٥ فَرِحِيۡنَ۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۶)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں، شاد ہیں۔

تو اگر یہ لوگ (شہدا) جماد اور پتھر ہیں تو آیت میں مذکور حیات، رزق اور فرح کے کیا معنی ہیں؟

صحیح احادیث میں مسلمان مُردوں کو سلام کرنے کا حکم دیا جانا ثابت ہے تو اگر ان کو سننے اور سمجھنے کی قوت حاصل نہیں تو اِس حکم سے کیا مراد ہے؟ معراج کی احادیث میں مروی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں انبیا کی امامت فرمائی پھر ان سے آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں۔تو (کہیے) بیت المقدس میں امامت اور آسمان میں ملاقات کرنے کا کیا مطلب؟ کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مُردوں اور پتھروں کی امامت فرمائی تھی اور انھیں سے آسمانوں میں ملاقاتیں کی تھیں؟ یا زندوں کی امامت فرمائی تھی جو بااختیار ہیں اور عالم ملکوت میں چلنے پھرنے کی ایسی عظیم قوت رکھنے والے ہیں کہ کسی وقت وہ روے زمین پر رہیں اور دوسرے لمحے آسمان کی بلندیوں میں سیر کریں۔اور اس کا کیا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے ہمارے نبی علیہ السلام سے ملاقات کی اور رات دن میں پچاس وقت کی نماز کے حکم میں تخفیف کرانے کا مطالبہ کیا۔ اگر (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مردہ ہیں تو ملاقات کیسی؟ اور سوال کیسا؟ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے سفارش کرنے اور امرالٰہی میں گفتگو کرنے پر قادر نہیں تو کیسے آپ نے امت کی خاطر تخفیفِ صلاۃ کی سفارش کی اور اس معاملے میں بار بار اپنے رب سے مراجعت کی یہاں تک کہ پچاس میں سے صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ کیا بخاری و مسلم کی احادیث اور دیگر کتبِ صحاح وحِسان سب اساطیر الاولین، اگلوں کی بے سروپا داستانیں ہیں جن کو بیان کر کے محدثین نے کھلواڑ کیا ہے؟ جیسا کہ فرقۂ اہل قرآن کا خیال ہے۔ کوئی مسلمان اُن بے شمار حدیثوں کو رد کرنے کی جراءت نہیں کرسکتا۔ جیسے اِس بات کی جراءت نہیں کرسکتا کہ دورِ صحابہ سے لے کر آج تک کی تمام اُمت مسلمہ کو مشرک، کافر اور ایمان وشرک کے معنی سے بے خبر کہے۔ ہاں وہابیہ دین پر، صحابہ پر اور عام مسلمانوں پر بلکہ انبیا ورسل پر حتیٰ کہ اللہ جل جلالہٗ پر بڑے جری اور دلیر ہیں لہٰذا ان سے بعید نہیں کہ تمام مخلوق کو بلکہ خود خالق کو بھی مشرک شمار کریں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی (اور اللہ ہی کی بارگاہ میں شکایت ہے)

میں مختصر کلام کرنا چاہتا تھا مگر سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ علماے اہلِ سنت کی کتابوں میں مزید تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ میں نے حدوث الفتن و جهاد أعيان السنن (۱۴۲۱ھ) میں بھی کچھ دلائل وابحاث ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں رضا اکیڈمی ممبئی اور المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو چکی ہے۔ مصر، بیروت اور یمن کے متعدد اداروں سے بھی اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جس کا نام ہے ''فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد'' یہ ترجمہ بھی المجمع الاسلامی مبارک پور سے کئی بار شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

❁❁❁

اہم گزارش

احیائے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی

جہاں تعلیم، تبلیغ اور تربیت کے ذریعہ قوم کی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے وہیں الحمدللہ! اصلاح عقائد و اعمال کے موضوع پر کتابوں کو شائع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو دینی بنانے اور سینوں کو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے جگمگانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

اب تک مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں اردو، ہندی، انگلش اور گجراتی میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد گناہوں سے نفرت اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آج کے دور میں دینی کتابوں کو لوگوں تک پہنچا کر ان کی دنیا و آخرت سنوارنا بہت بڑا نیک کام ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے اور فروغ دین وسنیت کے لیے ادارہ معارف اسلامی اور مکتبہ طیبہ کی شائع کردہ کتابوں کو خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں، ان شاءاللہ دارین میں اس کا فائدہ میسر ہوگا اور مرحومین کو ان شاءاللہ جنت نصیب ہوگی۔

نوری قافلے : ہر ماہ کم از کم ایک یا تین روز کے لیے نوری قافلے میں نکلیں، ان شاءاللہ دل کو سکون حاصل ہوگا، پریشانیاں دور ہوں گی اور برکتیں میسر ہوں گی۔

ہفتہ واری اجتماع : ہر سنیچر بعد نماز عشا مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کے ہفتہ واری اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں، دینی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آپ کا سینہ محبت رسول کا مدینہ بنے گا۔ ان شاءاللہ!

اپنے ساتھ کم از کم تین احباب کو ضرور لائیں اور بے شمار نیکیاں کمائیں۔

کتابوں کیلئے رابطہ نمبر 9819628034 قافلہ کیلئے رابطہ نمبر 9892509900

Published by:
MAKTABA-E-TAIBAH
Markaz Ismail Habib Masjid, 126, Kambekar St, Mumbai-3